اسلامی نقطہ نظر سے دور حاضر کی سیاست کا تحقیقی جائزہ

Research Analysis of the Politics of the Present Age in Islamic Perspective

فرزانہ اقبال *

ڈاکٹر میمونہ تبسم**

ABSTRACT:

Politics of modern era in the light of Islam is a complete code of life .It was practically implimented by Prophet Muhammed (Peace Be Upon Him) It is also the responsibility of the Islamic government to enforce and implement this code with full zeal and zest.Islamic government cannot constitute and implement any policy that is against Islamic rules and regulations.According to our faith everyone has to appearbefore Allah and everyone is responsible and answerable for his own doings. In Islam every ruleris allowed to exercisehis power and authority knowing that all powers and authorities are associated with Allah.The Islamic concept of democracy is based on only one principle that is the overall betterment and welfare of a society. The Holy Prophet (Peace Be Upon Him) constitiuted and practically enforced Islamic concept of democracy by ensuring the welfare of people regardless of demographic and cultural differences. He laiddown the base of welfare Islamic state on the basis of equality and brotherhood. After the death ofthe Holy Prophet, (Peace Be Upon Him), His followers and companions ensured the welfare and betterment of the society by following all the aforementioned golden Islamic Principles. But at present, the democratic system of Pakistan is totally contrary to the Islamic democratic principles and rules and regulations.Today political systemis based on the personal benefits of politicians and all legislation made by politicians is person specific that is totally against the Islamic concept of democracy. Besides all this political and legislaitive system is too much complicated and understandable for the common person. Therefore, it is complimantary that we should ensure the implemention of Islamic concept of democracy so that ovrall welfare of society may be ensured.

زندگی ایک اکائی ہے۔ مذہب زندگی کے ان تمام معاملات کے تمام گوشوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ زندگی بحیثیت کل مذہب کے دائرہ میں آتی ہے۔ مذہب زندگی اور حقائق کائنات کے بارے میں نقطہ نظر ہی نہیں دیتا بلکہ ان اصولوں کا تعین بھی کرتا ہے۔ جس کے مطابق انسان خود اپنے آپ سے، دوسرے انسانوں سے معاشرے سے، اور اس کے اداروں سے اور ان سب سے بڑھ کر اپنے خالق اللہ تعالی سے تعلق استوار کرے۔

---

* پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا

**اسسٹنٹ پروفیسر، LCWU

دین اسلام کے مطابق پیغمبر کا فریضہ صرف روحانی پاکیزگی کی فکر کرنا ہی نہیں بلکہ انسان کے عقائد و خیالات کی تطہیر کرنا، اس کے اخلاقی شعور کو بیدار کرنا اور اس کی اخلاقی قوت کو معاشرہ کی تعمیر نو اور تاریخ کی نئی تشکیل کے لئے استعمال کرنا بھی شامل ہے۔ نبی اکرم ﷺ وہ آخری نبی تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت مکمل طور پر وحی کی اور جنہوں نے اس ہدایت کے مطابق ایک مثالی معاشرہ اور ایک مثالی تہذیب قائم کی اور فلاحی ریاست قائم کی، یہی ہدایات قرآن و حدیث کی شکل میں محفوظ ہیں، یہی اسلام ہے۔ جس کا نظام سیاست وحی کی ہدایات کے مطابق مرتب ہوا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سیاست کی تعریف کی جائے، سیاست دراصل ریاست پر حکومت کرنے کا حق ہے، اسی اصول کی بناپر حکومتیں قائم ہوتی ہیں، اسی کی بناپر اس کے اپنے شہریوں اور بیرونی ریاستوں سے تعلقات قائم ہوتے ہیں اور حدود مقرر کی جاتیں ہیں، اس کی ایک تعریف یہ ہے:

"سیاست سے مراد نظم و نسق حکومت ہے"1

علامہ ابن خلدون نے سیاست کی یہ تعریف کی ہے:

"سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت و ضمانت کا نام ہے، یہ خدا کی نیابت سے اس کے بندوں پر اس کے احکام نافذ کرنے کا نام ہے"2

مولانا گوہر الرحمٰن لکھتے ہیں:

"سیاست اور سوس کے اساسی معنی اصلاح کرنا اور سنوارنا ہے، اس لغوی معنی کی مناسبت سے یہ دونوں مصدر ریاست و حکومت اور تدبیر مملکت کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوتے ہیں، اس لیے کہ حکومت اور ریاست کا مقصد بھی عوام کی حالت سنوارنا اور اصلاح کرنا ہے۔"3

قرآن مجید انسان سے نہایت واضح مطالبہ کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے آگے سر تسلیم خم کر دے، یعنی اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے اور ہر سرگرمی کے لئے اس کی ہدایت کو تسلیم کرے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کی چند خصوصیات بیان کی جائیں۔

1۔ حاکمیت اعلیٰ

اسلامی اصولوں میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس ہوتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ان الحکم الا للہ۔4 (اللہ تعالیٰ کو ہی اقتدار حاصل ہے۔)

اور فرمایا: لم یکن لہ شریک فی الملک۔5 (اس کی بادشاہی میں کوئی شریک نہیں)

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہی فیصلے کرنے کا حکم ہے۔ارشاد ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئٹ ھم الکافرون۔6(جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں۔)

قرآن مجید کی رو سے انبیاء کا مشن وحی الٰہی کے مطابق تقوی اور عدل کا قیام ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَلَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ(7)

(وہ (ذات) وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غالب کرے، اگرچہ مشرکوں کو برا معلوم ہو)

اسلام چاہتا ہے کہ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق استوار ہو۔اسلام انسان کی شخصی زندگی تک محدود نہیں ہے۔دوسری طرف سیاست انسان کے انسان سے اور ریاست کے تعلق سے بحث کرتی ہے اور اسلام میں یہ بھی مذہب کے دائرہ میں آتا ہے کیونکہ مذہب زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔اسلام مذہب اور سیاست کے درمیان کسی علیحدگی کو تسلیم نہیں کرتا۔وہ چاہتا ہے کہ سیاست بھی اسلام کے مطابق کی جائے اور ریاست کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے استعمال ہو۔

2۔اطاعت رسول ﷺ

اللہ تعالیٰ کی تشریعی حاکمیت کے مظہر اس کے انبیاء ہوتے ہیں۔وہی اس کے نمائندے اور اس کے پیغمبر کی حیثیت سے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کن باتوں کا حکم دیتا اور کن باتوں سے منع کرتا ہے اور ان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے لئے وہ کس ضابطہ حیات کو پسند کرتا ہے۔خدا کی اطاعت کی عملی شکل درحقیقت رسول کی اطاعت ہے اس لئے کہ رسول ہی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے خدا کے احکام و قوانین سے باخبر کرتا اور ان کی تنفیذ کرتا ہے۔چنانچہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی اطیعوا اللہ وارد ہے ساتھ ہی اطیعوا الرسول کا بھی حکم ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (8)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحب امر کی تم میں سے)

جو لوگ اللہ تعالی کی اطاعت تسلیم کرتے ہیں لیکن رسول کی اطاعت تسلیم نہیں کرتے ان کی مثال ایسی ہے کہ وہ بادشاہ کی اطاعت تسلیم کرتے ہیں لیکن اس کے مقرر کئے ہوئے نائب کی اطاعت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تو اسلام میں ہر گز اس کی گنجائش نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو آئین سازی کا مکمل اختیار حاصل ہے۔ ارشاد ہے:

یامرهم بالمعروف وینهٰم عن المنکر ویحل لهم الطیبات ویحرم هم الخبائث ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم۔ 9(وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان سے بوجھ دور کرتا ہے اور بندشوں کو پیچھے ہٹاتا ہے)

اس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالی کی طرف سے اقتدار اعلیٰ رسول کو حاصل ہے اور حکمران اس کے نائب ہوتے ہیں، جو حکمران بھی نائب بن کر حکومت کرے گا وہی درست ہو گا اور اسے آئین اور قانون کے بنیادی اصولوں سے روگردانی کا حق حاصل نہیں ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فلا و ربك لایومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لایجدو فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ 10(تیرے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ کو اپنے تمام جھگڑوں میں جج تسلیم نہ کریں پھر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اس پر جو آپ نے کوئی فیصلہ کیا ہو اسے تسلیم کر لیں)

3۔ حکمرانوں کی اطاعت

رسول ﷺ کی وفات کے بعد یہ ذمہ داری امت کے اولوالامر کی طرف منتقل ہوئی کہ اللہ تعالی کی شریعت کے مطابق احکام و قوانین نافذ کریں خود بھی اطاعت کریں اور دوسروں سے بھی اطاعت کرائیں۔ زمین میں اللہ تعالی کی حاکمیت کی نیابت کرنے کا یہ حق امت مسلمہ کو دیا گیا ہے جو کاروبار مملکت کو چلانے کے لئے اپنے مشورے اور پسند سے سربراہ مملکت (ریاست) کو منتخب کرتے ہیں اور ان کی اطاعت واجب ہے کیونکہ ان کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے۔ حدیث نبوی ہے:

عن أبي هريرة قال رسول الله: من أطاعني فقد أطاع الله، و من عصاني فقد عصى الله و من عصى أميري فقد عصاني۔ 11

(ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے صاحب امر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی) لیکن ان کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت کے تابع کر دیا، چنانچہ ارشاد ہے:

یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئ فردوہ الی اللہ و رسولہ ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلك خیروا حسن تاویلا۔12 (اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور ان کی جو تم میں سے صاحب امر ہیں، اور پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی اچھا ہے۔)

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اقتدار دیں ان کے فرائض کا بھی ذکر کیا، ارشاد الٰہی ہے: الذین ان مکنٰھم فی الارض اقامواالصلاۃ واتوالزکوۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔13 (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دیں تو نماز کا قیام کروائیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں، اور سب کاموں کا انجام تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔)

4۔ شوریٰ کا قیام

اسلام میں مشورہ کو بہت اہمیت حاصل ہے، حکومت بنانے کا کام عوام سے لیا جاتا ہے لیکن یہ ضروری ہے وہ سوچ سمجھ کر اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں، جن میں دنیاوی سوجھ بوجھ کے ساتھ آخرت کی فکر اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی ادائیگی اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا بھی احساس رکھتے ہوں۔ ارشاد ربانی ہے: ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الیٰ اھلھا۔14 (بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرو)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے: وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔15 (آپ ان سے مشورہ کریں جب عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں)

اللہ کے رسول پر وحی آتی تھی اس کے باوجود ان کو مشورہ کا پابند کیا گیا تاکہ حکمران اس بات کا خیال رکھیں، کیونکہ مشاورت اسلامی طرز زندگی کا اہم رکن ہے، اور مشورہ کے بغیر حکومت چلانا قانون اور اخلاق کی خلاف ورزی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ما رایت رجلا اکثر استشارۃ للرجال من رسول اللہ۔16 (میں نے رسول اللہ سے بڑھ کر لوگوں سے زیادہ مشورہ کرنے والا آدمی نہیں دیکھا)

5۔عدل وانصاف

اسلامی حکومت میں عدل وانصاف کو امتیازی حیثیت حاصل ہے ارشاد ربانی ہے: ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان۔17 (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل واحسان کا حکم دیتا ہے)

رسول اللہ کا بہت معروف ارشاد ہے کہ جب فاطمہ نامی عورت نے چوری کی تھی تو آپ نے فرمایا تھا: والذی نفس محمد بیدہ لوان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔17.1 (اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا)

6۔مساوات

اسلامی حکومت میں قانون کی نظر میں تمام لوگ برابر ہیں، کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں، ارشاد ربانی ہے: یاایھا الناس اناخلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔18 (اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد وعورت سے پیدا کیا، اور تمہاری ذاتیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم باہم پہچان سکو، بے شک اللہ کے ہاں وہی معزز ترین ہے جو زیادہ متقی ہو)

اور حجتہ الوداع کے خطبہ میں بھی فرمایا: لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولاالاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوی، الناس کلھم من آدم وآدم من تراب۔19 (کسی عربی کو کسی عجمی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں اور نہ کسی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی سیاہ کو سرخ پر اور نہ سرخ کو سیاہ پر مگر تقوٰی کے ساتھ، تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں)

7۔احتساب اور جواب دہی

اسلامی حکومت میں ہر ایک فرد کو حق حاصل ہے کہ وہ حکمرانوں سے ہر قسم کا سوال کر سکتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت میں سے جب اپنی قمیض بنوائی تو ایک بدو نے سوال

کیا کہ مال غنیمت سے آئے ہوئے کپڑے میں سے میری قمیض نہیں بن سکی آپ کی کیسے بن گئی ؟توان کے بیٹے عبداللہ بن عمر نے جواب دیا کہ میں نے اپنا کپڑاان کو دے دیا تھا،اس وجہ سے دونوں کے کپڑے سے قمیض بن گئی۔20اللہ اور عوام کے سامنے ہر معاملے میں جواب دہ ہیں،رسول اللہ نے فرمایا: کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ۔21(ہر ایک آپ میں سے نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے متعلق جواب دہ ہے)

دور حاضر کی سیاست کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ

۔غیر اسلامی طرز حکومت

یہ حقیقت ہے کہ پاکستان میں حکومتی سطح پر اور مذہبی اشرافیہ کی طرف سے جس کا زور و شور سے پرچار کیا جارہا ہے وہ اسلامی حکومت نہیں بلکہ غیر اسلامی حکومت ہے۔ جس پر روشنی ڈالتے ہوئے صفدر حسین صدیقی لکھتے ہیں :

"پاکستان میں اسلام کے نام سے جو چیز پیش کی جارہی ہے اس پر بس اسلام کا لیبل لگادیا گیا ہے ۔اس کے آئین پر "اسلامی جمہوریہ پاکستان"کا ٹھپہ تو لگادیا گیا ہے لیکن اس میں اسلامی شریعت اور اسلامی جمہوریت کے کے نام سے جو شقیں داخل کردی گئی ہیں،ان کا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ ان کے ذریعے اسلام کا جو تصور پیش کیا گیا ہے۔ یہ دراصل عرب میں دور ملوکیت کی پیداور ہے۔ یہ عوام مخالف اجارہ دار عناصر (جن کا ملک کے ذرائع پیداوار پر غاصبانہ قبضہ ہے)اور ان کے حواری مذہبی اشرافیہ کا وضع کردہ نظریہ ہے۔ جسے عوام کے دل ودماغ پر ذرائع ابلاغ کے زور پر راسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ ان کی توجہ اپنے اصل مسائل اور حقوق سے ہٹائی جا سکے۔اس حکمت عملی کے تحت عوام کی اکثریت کو ایک طرف تو تعلیم سے محروم رکھا جارہا ہے اور دوسری طرف معاشرتی طور پر انہیں مہنگائی، بے روزگاری، غربت اور دوسرے مسائل کے چکر میں ڈال دیا گیا ہے۔اسی طرح وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر اور اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کر کے حکومت کے کارپردازوں سے بازپرس اور ان کی نگرانی نہ کر سکیں گے'22

اسلام نے اپنے نظام سیاست میں اولوالامر کو یہ بلند منصب اس وجہ سے دیا ہے کہ یہ خدا کی تشریعی حاکمیت کے زمین میں نفاذ کا ذریعہ بنتے ہیں۔اس منصب کا بدیہی تقاضا ہے کہ وہ نہ تو خود الٰہی قانون کی نافرمانی کریں اور نہ دوسروں کو کسی ایسی بات کا حکم دیں جو حکم خداوندی کے خلاف ہو۔

۔ذات پات کی بندش

دور حاضر کا طرز حکومت ذات پات کے نظام پر مبنی ہے جبکہ اسلام ذات پات کی بندشوں کا قائل نہیں۔ ہر ایک فرد کو حق ہے کہ وہ اپنی اہلیت کے مطابق بلا تفریق رنگ و نسل اپنی صلاحیتوں کو استعمال کریں۔ اسلامی تاریخ بھی اس بات پر گواہ ہے، جس کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اسلام ذات پات کی بندشوں سے ہٹ کر معیار برتری صرف تقوی کو قرار دیتا ہے۔ ہر فرد کو اجازت ہے کہ وہ اپنی قوت واستعداد کے لحاظ سے جہاں تک آگے بڑھ سکتا ہے بڑھے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ غلام اور غلام زادے فوجوں کے سپہ سالار اور گورنر بنائے گئے اور بڑے بڑے اونچے گھرانوں کے شیوخ نے ان کی ماتحتی کی۔ چمار جوتیاں گانٹھتے گانٹھتے امامت کی مسند پر بیٹھ گئے، جولاہے اور بزاز مفتی، قاضی اور فقیہہ بنے اور آج ان کے نام اسلام کے بزرگوں کی فہرست میں ہیں۔"(23)

آپ ﷺ نے فرمایا:

اسمعوا وأطیعوا، وان استعمل علیکم عبد حبشی(24)

(سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمھارا سردار ایک حبشی ہی کیوں نہ بنا دیا جائے)

موجودہ دور میں کوئی غریب آدمی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا، کیونکہ اس کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ الیکشن پر خرچ کر سکے۔

۔اہلیت کا فقدان

حکمران (اولوالامر) کے لیے ضروری ہے کہ وہ کچھ خصوصیات کے حامل ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو آخری و قانونی سند سمجھتے ہوں۔ اسلام کے احکام و شرائع کے پابند ہوں۔ تہذیب و معاشرت میں اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہوں اور حلال و حرام کے بارے میں اسلام کی مقررہ کردہ حدود کے پابند ہوں جو کہ موجودہ سیاستدانوں میں مفقود نظر آتا ہے۔ حالانکہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں بھی جو چیز سب سے نمایاں طور پر پیش نظر رہی وہ متعلقہ فرد کی اہلیت وصلاحیت ہے۔ دور حاضر کا معتبر مورخ T.W.Arnold لکھتا ہے:

" There was certainly some form of election in the case of the first four caliphs,... in neither instance was there

any question of hereditary succession, nor was the choice of either of these caliphs influenced by considerations of relationship(25)

(ابتدائی چار خلفاء راشدین کے انتخاب میں کوئی نہ کوئی طریقہ تھااور اس بارے میں کوئی ایسا سوال نہیں کیا گیا جس میں وراثتی جانشینی کا ذکر ہو، نہ ہی یہ خلفاء کسی قریبی تعلق کے دباؤ میں منتخب ہوئے)

رسول اللہ کے وصال کے بعد سقیفہ بنو ساعدہ میں جو بحث و تمحیص ہوئی اس کی تفصیل پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کا نام خلافت کے لیے تجویز ہونے میں بنیادی کردار اس بات کا تھا کہ وہ امت مسلمہ کی امامت کے لیے اہل ترین فرد تھے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق کے انتخاب میں آپ کی اہلیت کا بنیاد انتخاب ہونا خلیفہ اول کی اس تقریر سے ثابت ہے جو آپ نے مرض الموت میں صحابہ کے اجتماع میں کی اور وہ جواب جو آپ نے ایک صحابی کی عمر فاروق کے مزاج کے بارے میں رائے کے سلسلہ میں دیا:

"لئن سألني اللّٰہ لا قولن: استخلف علیھم خیر ھم فی نفسی" (26)

(اگر اللہ تعالی نے مجھ سے سوال کیا تو میں کہوں گا کہ میں ان لوگوں پر اپنی سوچ کے مطابق ان میں سے بہترین کو خلیفہ بنا کر آرہا ہوں)

اسی طرح خلیفہ سوم اور چہارم کے انتخاب میں بھی میں بھی بہترین افراد کو ترجیح دے کر امامت کے مرتبے پر فائز کیا۔ موجودہ دور کے سیاسی نظاموں کے برعکس، عہد خلافت راشدہ میں امامت و حکومت کو ایک ذمہ داری کے طور پر لیا گیا، نہ اس کی خواہش رکھی گئی نہ اس کے حصول کی کوشش کی گئی۔ اس عہدے کے لیے اپنے آپ کو اہل تر ثابت کرنے کی کوشش اور اس سلسلہ میں ذرائع ابلاغ کا استعمال قطعاً نظر نہیں آتا بلکہ اس کو بار امامت سمجھتے ہوئے خود کو دور رکھنے کی خواہش اور کوشش کی گئی۔ تاہم جس شخص پر یہ ذمہ داری عائد ہو گئی، پھر اس نے اپنی تمام صلاحیتوں، توانائیوں، وقت اور مال کو اسی میں کھپا دیا۔ اس طرز فکر و عمل کا بین ثبوت خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق کی وہ پہلی تقریر ہے جو آپ نے خطبہ خلافت کے طور پر امت مسلمہ کے اجتماع میں کی:

واللّٰہ لا نولی علی ھذا العمل احدا سألہ ولا احد حرص علیہ(27)

(خدا کی قسم ہم کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کرتے جو اس کے لیے درخواست کرے اور نہ کسی ایسے شخص کو جس کے دل میں اس کے لیے حرص ہو) رسول اللہ کی حدیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کو حکمران نہیں بنایا جاتا تھا جو اس کی خواہش کرے، چنانچہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے عرض کیا کہ آپ مجھے کسی علاقے کا حکمران بنادیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا: یا اباذر انك ضعيف وانها امانة وانها يوم القيامة خزى وندامة الا من اخذها بحقها وادى الذى عليه۔28(اے ابوذر تو کمزور ہے اور (سرکاری عہدہ) ایک امانت ہے اور بے شک یہ قیامت کے دن رسوائی اور شرمندگی کا باعث ہوگا سوائے اس آدمی کے جس نے اسے حق کے ساتھ قبول کیا اور اس معاملے میں جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی تھی اسے کماحقہ ادا کیا)

ہمارے ہاں نااہل لوگ کوشش کر کے منتخب ہو جاتے ہیں اور پھر منتخب ہونے کے بعد ان سے خدا کا خوف اور ذمہ داری کا احساس ختم ہو جاتا ہے، اور ہر مقام پر اپنے نااہل ہونے کا ثبوت دیتے ہیں، منتخب کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو لائیں جو لالچی اور حریص نہ ہوں، صاحب علم ہوں خدمت خلق کا جذبہ رکھتے ہوں، اور قومی مفادات کا خیال رکھنے والے ہوں۔

ہاں ایک بار پھر موجودہ جموریت اور اسلامی جمہوریت کا فرق کھل کر سامنے آتا ہے۔

۔سیاسی پروپیگنڈہ

اسلام میں کسی بھی ایسے شخص کو کسی بھی عہدے کے لیے امیر یا حکمران ہونے کی خواہش یا ہوس رکھتا ہو یا اس سلسلے میں کسی قسم کی درخواست کرتا ہو وہ درست نہیں۔ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مملکت کے سربراہ ہونے کے خواہش مند ہوتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو اسمبلی (مجلس شوری) میں شامل ہونے کی تمنار کھتے ہیں۔آج کل جو شرط سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ نمائندہ زمانہ ساز، ڈپلومیٹ اور چرب زباں ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور کردار کتنا ہی گرا ہوا کیوں نہ ہو۔اس کے علاوہ ان نمائندوں کے انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا انتخاب ایک مخصوص سیاسی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے پر ہوتا ہے۔ہر سیاسی جماعت کے اپنے اپنے پروگرام اور سیاسی نظریات ہوتے ہیں اور ان کا بے پناہ سرمایہ پارٹی فنڈ کی صورت میں ہوتا ہے ہر پارٹی اپنے امیدوار کو (جو ان کے نظریات کا حامی ہوتا ہے۔خواہ وہ نظریات کتنے غلط اور نقصان دہ کیوں نہ ہو) منتخب کرانے کے لیے بے پناہ سرمایہ صرف کرتی ہے۔اس سلسلے میں ریڈیو اور پریس وغیرہ سے مدد لی جاتی ہے۔ محض علمی استعداد، اخلاقی بلندی اور حق گوئی کی بناء پر کسی شخص کا

پارلیمنٹ یا اسمبلی میں داخل ہونا ناممکن سی بات ہے۔ جس پارٹی نے اپنا جو پروگرام بنا رکھا ہے اس پر بلا چون وچرا دستخط کئے بغیر کوئی منفرد آزاد انسان خواہ وہ امور سلطنت کا کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو، اسمبلی یا پارلیمنٹ کا ممبر نہیں بن سکتا۔ اس کے علاوہ جمہوریت کی ایک اور خامی جو اسے اسلامی جمہوریت سے الگ کرتی ہے یہ ہے کہ اس میں ہر قانون یا ہر معاملہ اکثریت سے طے پاتا ہے خواہ یہ اکثریت کسی غلط بات ہی کی پیروی کیوں نہ کر رہی ہو۔

۔ عورت سے مشورہ اور اس کی حکمرانی

اسلام نے عورت کو اس کا صحیح مقام دیا اور عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے عظیم عہدے پر فائز کیا۔ اس کے ساتھ ہی عورت کے حق وراثت کو بھی تسلیم کیا۔ اسلام نے عورت کا گھر اس کا اصل مقام قرار دیا ہے اور اسے پسند نہیں کیا وہ سربراہ ریاست کے عہدے پر فائز ہو۔ اس لئے حضور ﷺ نے جب سنا کہ اہل ایران نے ایک عورت کو بادشاہ بنالیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لن یفلح القوم ولوا امرهم الی مرأة(9) (وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو حکمران بنایا)

موجودہ نظام سیاست کی دوسری بڑی خامی عورت کی حکمرانی ہے اسمبلی میں عورتوں کی نشستوں کی تعداد مقرر ہے۔ حالانکہ حکمرانی کے لئے جو مزاج درکار ہے وہ عورت کے مزاج اور صلاحیتوں کے مطابق نہیں جس کے بارے میں امین احسن اصلاحی رقمطراز ہیں:

"وہ قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی جس نے عورت کو اپنا بادشاہ بنایا۔ حکومت کا مزاج فاعلانہ ہونا چاہیے نہ کہ منفعلانہ، اس کی اصلی سرشت مردانہ ہے نہ کہ زنانہ۔ عورت کا مزاج منفعلانہ ہوتا ہے اور اس کے اصل فطری فرائض کے لحاظ سے اس کا یہی مزاج اس کے لیے موزوں ہے۔ اپنے اس مزاج کے لحاظ سے عورت حکومت کے لئے فطرتاً ناموزوں ہے۔ اگر حکومت عورت کے سپرد کر دی جائے تو حکومت کا مزاج بھی اس کے اثر سے بگڑ کر زنانہ ہو جاتا ہے جس سے اس کی صلاحیت کار بالکل برباد ہو کر رہ جاتی ہے (30)"۔

گویا حکومت کے معاملات میں عورت کی مداخلت حکومت کے مزاج کو بگاڑ کر رکھ دیتی ہے۔
اسلام دین فطرت ہے، اس وجہ سے اس نے قوامیت اور سربراہی کا منصب مرد کے سپرد کیا ہے۔ عورت

کو نہ گھر کا قوام بنایا ہے نہ باہر کا۔ دور حاضر میں چونکہ ہر جگہ عورت کی مداخلت ہے سیاسی معاملات میں بھی اس کو عام طور پر شامل کرنا پڑتا ہے، رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی بعض معاملات میں عورتوں سے مشورہ لے لیا کرتے تھے، چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر احرام کھولنے کے موقع پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا آپ اپنا احرام کھول دیں، تو صحابہ کرام بھی خود بخود کھول دیں گے، چنانچہ ایسا کرنے سے معاملہ درست ہو گیا۔ 31، اور بھی کئی معاملات میں رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو مشورہ میں شامل کیا۔ لہٰذا موجودہ دور میں بھی عورتوں کو حجاب کی پابندی کے ساتھ مشورہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

دور نبوی ﷺ اور خیر القرون کی حکمرانی

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل رہا اور رسول اللہ اور صحابہ کرام نے حکمرانی کی اس دور کی چند خصوصیات پیش کی جائیں۔

آپ ﷺ کا اسوہ ہر حوالے سے ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ سربراہ مملکت کو دوسرے لوگوں پر نہ کوئی ترجیحی درجہ حاصل ہوتا ہے اور نہ اس کو اختیار دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے بھی اس قسم کی کوئی گنجائش نہ اپنے لئے پیدا ہونے دی، نہ حکومت کے دوسرے عمال ہی کو یہ حق دیا کہ وہ خود کو عوام الناس پر کسی قسم کی ترجیح دیں۔ آپ ﷺ کے نزدیک حکومت وامارت کا ایک پیمانہ مقرر تھا۔ کچھ اس کے حقوق تھے اور کچھ اس کی شرائط تھیں۔ اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

"نعم الشیء الامارۃ لمن أخذ ھا بحقھا و حلھا وبئس الشی الامارۃ لمن أخذھا بغیر حقھا تکون علیہ حسرۃ یوم القیامۃ "(32)

(سب سے اچھی چیز حکومت ہے، لیکن اُس کے لئے جس نے اُسے اس کے لوازمات صحیحہ اور حقوق کے ساتھ استعمال کیا۔ اور سب سے بُری چیز امارت ہے، لیکن اس کے لئے جس نے اس کے حقوق ملحوظ نہ رکھے۔ یہ اس کے لئے قیامت کے دن حسرت کا سبب ہو گی)

نبی اکرم ﷺ کے نزدیک حاکم کے لئے صرف چند گنجائشیں تھیں :

"من ولی لنا شیئا فلم تکن لہ امراۃ فلیتزوج امرأۃ ومن لم یکن لہ خادم فلیتخذ خادماً فمن اتخذ سویٰ ذالک کنزاً أو ابلا جاء اللّٰہ بہ یوم القیامۃ غالاً أو سارقا" (33)

(جو ہماری طرف سے حاکم بنایا گیا۔ اگر اس کے پاس عورت نہیں ہے تو کسی عورت سے نکاح کر لے۔ اور اگر اس کے پاس خادم نہیں ہے تو خادم رکھ لے اور جس نے اس کے سوا کوئی خزانہ یا اونٹ یا جانور لئے وہ قیامت کے دن بارگاہ خداوندی میں چور، ڈاکو کی شکل میں حاضر ہو گا)

ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من استعملناہ منکم علی عمل فکتمنا مخیطاً فما فوقہ فھو غلول یأتی بھا یوم القیامۃ"۔(34)

(تم میں سے جس کسی کے سپرد بھی ہم نے حکومت کا کام کیا۔ اس نے اگر ایک سوئی بھی چرائی تو وہ چور ہو گا۔ وہ قیامت کے دن اسے لے کر دربار خداوندی میں آئے گا)

رسول اللہ ﷺ نے یہ کلیہ محض دوسرے عمال کے لئے وضع نہ کیا تھا۔ وہ خود بھی اس کے پابند تھے اور خود کو مسئول بھی سمجھتے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کے مال میں سے سوائے اس خمس کے جسے خدا کی اجازت سے انہیں خرچ کرنے کا حق تھا کچھ بھی نہ لیتے۔ انہوں نے حنین کے موقع پر عوام سے جب خطاب عام فرمایا تھا تو یہ بات بھی کہی تھی :

"فواللّٰہ ا ن کان لکم بعد دشجر تھا مہ نعما لقسمتہ علیکم ثم ما القیتمونی بخیلا جبا ناً ولا کذابا۔"(35)

(خدا کی قسم، اگر تہامہ کے درخت جتنی نعمتیں نصیب ہوں تو یہ سب کی سب میں تم ہی میں بانٹ دوں گا۔ تم مجھے بخیل نہ پاؤ گے نہ لالچی اور نہ جھوٹا)

بلا شبہ آپ ﷺ خود کو مسلمانوں کی پریشانیوں میں شریک رکھتے، لوگ بھوکے رہتے تو وہ بھی بھوکے رہتے۔ لوگوں کے پاس لباس نہ ہوتا تو اُن کے پاس بھی نہ ہوتا۔ ان کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آنے والوں کو جب تک گھر رہنے کو نہ ملے تھے، انہوں نے بھی اپنے لئے کوئی گھر نہ بنایا۔ اور جب مؤاخات کو ذریعہ بنا کر انہوں نے پینتالیس مہاجرین کے لئے گھر مہیا کر دیئے تو انہوں نے بھی اپنے لئے جھونپڑے بنوائے۔ اور یہ جھونپڑے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے وقت تک، جبکہ اسلامی حکومت کا دائرہ حجاز، یمن، نجد، طائف اور بحرین تک پھیل چکا تھا، جوں کے توں رہے، ان میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ ﷺ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ مسلمانوں کی لازمی ضرورتوں کو تشنہ چھوڑ کر اپنی ذات کے لئے کوئی عالی شان عمارت بنوائیں۔

۔ تکلفات سے گریز

مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضورﷺ جب غزوہ دومتہ الجندل تشریف لے گئے تھے تو ان کی غیر موجودگی میں حضرت اُم سلمہ نے اپنے حجرے کو پکی اینٹوں سے تعمیر کیا۔ حضورﷺ مدینہ واپس آئے تو سب سے پہلے جس زوجہ کے پاس تشریف لے گئے وہ ام المومنین حضرت ام سلمہ تھیں۔ آپﷺ نے حجرہ میں داخل ہوتے ہی پوچھا :

"ما ھذا البناء فقالت، أردت یا رسول اللّٰہ أن أکف ابصار الناس۔ فقال: یا أم سلمة ان شر ما ذھب فیہ مال المسلمین البنیان" (36)

(یہ کیا عمارت ہے۔ام سلمہ نے عرض کیا: "میں نے سوچا تھا کہ لوگوں کی نگاہوں کو اس طرف آنے سے روک دوں۔" نبی اکرمﷺ نے فرمایا: اے ام سلمہ، مسلمانوں کے مال کا سب سے بُرا مصرف مکانوں کی تعمیر ہے")

یہی سبب تھا کہ حضورﷺ نے اپنے دس سالہ حکومت کے دوران مسلمانوں کے مال کو عمارتوں پر ضائع نہیں کیا۔ ان کے سارے حجروں میں جو امہات المومنین کے لئے مخصوص کیے گئے تھے۔ کھجور کے تنوں، ان کے ٹکڑوں، ان کے پتوں اور مٹی کے سوا کسی دوسرے عمارتی سامان کو استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ ستون، کھجور کے تنوں کے تھے۔ شہتیروں کے طور پر بھی کھجور کے تنے ہی استعمال ہوئے تھے۔ ان کے اُوپر کھجور کے پتے اور شاخیں ڈال کر مٹی سے لیپ دیا گیا تھا۔ صرف چار حجروں کے آگے مٹی کی دیواریں بنی تھیں باقی پانچ کے آگے دیواریں بھی نہ تھیں۔ اونٹوں کے بالوں سے بنے ہوئے ٹاٹ ڈال کر پردہ کیا گیا تھا۔ ابن سعد ان مکانوں کی چھتوں کی کیفیت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"و کنت ادخل بیوت أزواج النبیﷺ فی خلافة عثمان بن عفان فتنتناول سقفھا بیدہ"۔(37)

(ہم ازواج مطہرات کے حجروں میں حضرت عثمان کے زمانہ خلافت میں داخل ہوا کرتے اور ان کی چھتوں کو اپنا ہاتھ لگا لیتے تھے)

گویا مکانوں کی چھتیں پانچ یا چھ فٹ سے زیادہ اونچی نہ تھیں۔ ولید کے زمانے میں جب مسجد نبوی میں توسیع کی گئی تو رسول اللہﷺ کی ازواج مطہرات کے یہ مکان مسجد میں ملا دیئے گئے۔ اس موقعہ پر ابوامامہ نے کہا تھا:

"لیتها ترکت فلم تهدم حتی یقصر الناس عن البناء ویرو ما رضی اللّٰہ لنبیه علیه السلام و مفاتیح خزائن الدنیا بیده" (38)

(اے کاش! یہ گرائے نہ جاتے یونہی چھوڑ دیئے جاتے تاکہ لوگ عمارات کی تعمیر سے جھجکتے اور دیکھتے کہ نبی اکرم ﷺ کس پر راضی ہو گئے تھے۔ حالانکہ ان کے ہاتھ میں دنیا کے خزانوں کی کنجیاں تھیں)

ظاہر ہے جو جھونپڑے کھجور کے پتوں، تنوں اور اونٹوں کے بالوں سے بنے تھے۔ جن کے دروازے ایک ایک گز کے تھے۔ ان میں کوئی دری، صف اور پلنگ بھی نہ تھا۔ یہ حاکم اعلیٰ ایک چٹائی پر سویا کرتے یا ایک چار پائی استعمال میں لاتے جو کھڑے بان کی ہوتی، یا کبھی کھال بچھا لیتے جس میں پتے بھرے ہوئے ہوتے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے حضرت عمر کو اندر آنے کی اجازت دی اور وہ زمین پر بچھی ہوئی ایک چٹائی پر لیٹے تھے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :

"ورسول اللّٰہ راقد لیس بینه وبین الأرض الا الحصیر وقد اثر بجنبه وتحت رأسه وسارة من ادم حشوة لیفا" (39)

(رسول اللہ ﷺ لیٹے تھے۔ ان کے اور زمین کے درمیان ایک چٹائی کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی اور اس چٹائی نے ان کے پہلو پر نشان ڈال دیئے تھے۔ اُن کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تھیلا تھا جس میں پتے بھرے ہوئے تھے)

ایک اور مقام پر حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"عن عائشة رضی الله عنها قالت: دخلت امرأة من الانصار علی، فرات فراش رسول اللّٰہ ﷺ، عباءة مثنية، فأنطلقت فبعثت الیه بفراش حشوه صوف، فدخل علی رسول اللّٰہ ﷺ، فقال: ما هذا؟ قلت: یا رسول اللّٰہ فلانة الانصاریة دخلت علی فرات فراشک فذهبت فبعثت بهذا، فقال: ردیه، فلم اردة، وأعجبنی أن یکون فی بیتی، حتی قال ذلک ثلاث مرات"(40)

(حضرت عائشہ ہی فرماتی ہیں: ان کے پاس ایک انصاریہ آئیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا بچھونا دیکھا جو ایک بنی ہوئی چٹائی تھی تو وہ اپنے گھر گئیں۔ ایک بچھونا لائیں، جس میں اون بھری تھی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے یہ بچھونا دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ نے قصہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسے لوٹا دو"۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: مگر مجھے یہ بچھونا اچھا معلوم ہوا اور

میرا جی چاہا یہ میرے گھر میں ہو۔ میں نے اسے نہیں لوٹایا۔ آپ ﷺ نے اپنا حکم تین دفعہ دہرایا (اور حضرت عائشہ مجبور ہو گئیں کہ اُسے لوٹادیں)

اس باب میں ابن سعد نے حضرت عمر فاروق کی ایک روایت بھی بیان کی ہے۔ اس کا پہلا حصہ وہی ہے جو پیچھے تحریر ہوا۔ اس میں اتنا اضافہ اور ہے:

"ووضع تحت راسہ مرفقۃ من ادم محشوۃ لیف، فدخل علیہ عمر وقد اثر الشریط بجنبہ فبکی عمر، فقال: ما یبکیک؟ قال: یا رسول اللّٰہ ذکرت کسری و قیصر یجلسون علی سرر الذھب ویلبسون السندس والاستبرق، أو قال الحریر والا ستبرق، فقال: أما ترضون أن تکون لکم الاخرۃ ولھم الدنیا۔" (41)

(یہ چٹائی تھی یا کھردرے بان والی چار پائی تھی۔ جس کے نشان حضور ﷺ کے جسم پر پڑے تھے۔ حضرت عمر یہ حال دیکھ کر رو پڑے تھے۔ اور قیصر و کسریٰ کی ناز و نعمت کی زندگی اور لباس و بچھونے یاد کئے تھے۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا اور ہمارے لئے آخرت)

۔لباس میں سادگی

آپ ﷺ ہر ایسے لباس کو پہننا ناپسند کرتے تھے جس سے تعیش کی بو آتی۔ ابن سعد بیان کرتے ہیں:

"اھدی لی رسول اللّٰہ فروج یعلی قباء حریر فلبسہ ثم صلی فیہ ثم انصرف فنزعہ نزعاً شدیداً کالکارہ لہ ثم قال لا ینبغی ھذا للمتقین۔" (42)

(رسول اللہ ﷺ کو ریشم کی قبا تحفتاً پیش کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے پہنا۔ اس میں نماز پڑھی۔ پھر منہ پھیرا۔ اسے بڑی کراہت کے ساتھ اپنے جسم سے نوچا۔ پھر فرمایا، یہ نیکوکاروں کے لئے نہیں ہے)

یقیناً یہ نیکوکاروں کا لباس نہیں تھا۔ اور ان لوگوں کا یہ لباس کیسے ہو سکتا تھا، جنہیں عوام کی تکالیف کا احساس تھا۔ ابن سعد بیان کرتے ہیں:

"اھدی ملک الروم الیہ فلبسھا، فکأن انظر الی یدیھا تذبذبان من طولھما، فجعل القوم یقولون یا رسول اللّٰہ انزلت علیک من السّماء فقال وما تعجبون منھا؟ فو الذی نفسی بیدہ ان مندیلا من منادیل

سعد بن معاذ فی الجنۃ خیر منہا ثم بعث بہا الی جعفر بن ابی طالب فلبسہا فقال النبی ﷺ: انی لم اعطکہا لتلبسہا۔ قال: فما اصنع بہا قال: ابعث بہا الی اخیک النجاشی۔"(43)

(ایک اور موقعہ پر آپ ﷺ کو روم کے کسی بادشاہ کی طرف سے خلعت یا عبا یا بھیجی گئی جو سندس کی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے پہنا۔ لوگوں نے کہنا شروع کیا۔ یہ لباس آپ پر آسمان سے نازل ہوا ہے ۔آپ ﷺ نے فرمایا: اس پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ خدا کی قسم! سعد بن معاذ کو جنت میں جو مندیل ملیں گے وہ اس سے بہتر ہوں گی۔ پھر اُسے اتار دیا اور جعفر بن ابی طالب کو بھیج دیا۔ جعفر نے اسے پہن لیا۔ آپ ﷺ نے اسے پہنے دیکھ کر فرمایا۔ یہ ہم نے تمہیں پہننے کے لئے نہیں دیا تھا۔ یہ اس لئے دیا تھا کہ تم اسے اپنے بھائی نجاشی کو بھیج دیتے)

۔مساوات

گویا اسلام نے کھانے پینے، تعلیم و تہذیب اور بہت سے تمدنی حقوق میں مساوات قائم کر دی ہے۔اسلامی نظام میں وزراء اور گورنر وی آئی پی نہیں ہوتے بلکہ جو ضعیف، مسکین، غریب، لاچار، فریادی ہو وہ وی آئی پی ہوتا ہے لیکن بد قسمتی ہمارے گورنر، وزراء خود کو تو وی آئی پی سمجھتے ہیں اور غریب عوام کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ اسی طرح حدیث سے بھی مسکین اور نیک مومنوں کا وی آئی پی ہونا ثابت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

ألا اخبر کم بأهل الجنة؟ کل ضعیف متضاعف لو اقسم علی اللہ لابرہ ألا اخبر کم بأهل النار کل عتل جواظ متکبر۔(44)

(میں تمھیں اہل جنت کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں؟ تمام غرباء و مساکین کہ اگر وہ کسی بات پر قسم کھا لیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دے۔ کیا میں تمھیں اہل دوزخ کے بارے میں آگاہ نہ کر دوں؟ تمام مغرور و متکبر لوگ)

لیکن دور حاضر میں حکمرانوں کا طرز عمل اس کے برعکس ہے۔ آج معاشرے میں برسر اقتدار پارٹیاں اور اشخاص ملک کے خزانے سے جس طرح چاہیں خرچ کرتے ہیں اور کروڑوں روپے ان کی ذاتی مصارف، پارٹی پروپیگنڈے اور دیگر مصالحہ کی نذر ہو جاتے ہیں اور ملک کے غریب طبقے نہایت مشکل سے گزر اوقات کرتے ہیں۔ معاشرے میں ظلم کا دور دورہ ہے۔ عدل و انصاف عنقا ہے۔ ظلم کی روک تھام

ناانصافی، بد دیانتی، رشوت ستانی، عدم مساوات اور اموال میں ناانصافی کے خاتمے کے حوالے سے حکومتی عمل میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ معاشرے میں حکمران طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا ہے اور عوام کے لیے دو وقت کی روٹی دشوار ہے۔ جبکہ خلافت اسلامی میں ہر مذہب و ملت کے معذور، ناتواں اور غیر مستطیع لوگوں کی کفالت بیت المال کے ذمہ ہوتی تھی۔ حضرت خالد نے حیرہ کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک اہم شق یہ تھی :

"وجعلت لهم أيما شيخ ضعف عن العمل أو اصابه آفة من الافات أو كان غنيا فافتقر وصار أهل دينه يتصدقون عليه طرحت جزية وعيل من بيت مال المسلمين وعياله"(45)

(جو بوڑھا شخص کام اور محنت سے معذور ہو جائے یا اس کا جسم ماؤف ہو جائے یا وہ مالدار تھا اب غریب ہو گیا ہے۔ اس کے ہم مذہب اسے غریب سمجھ کر اس پر صدقہ و خیرات کرنے لگے ہیں تو اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا اور اس کی اور اس کے اہل و عیال کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہو گی)

4۔ نظام تعلیم کی اصلاح

رسول اللہ ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا گیا، آپ کے فرائض میں تعلیم کتاب وسنت اور تزکیہ تھا، ارشاد ربانی ہے :هوالذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلواعلیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة۔46 (وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ کی سناتا ہے ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: انما بعثت معلما۔47 (بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) رسول اللہ ﷺ نے مکی دور میں دار ارقم کو تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا بعد ازاں مسجد نبوی میں صفہ کو تعلیمی مرکز کا مقام حاصل تھا، بقول ڈاکٹر حمید اللہ صفہ اولین اقامتی یونیورسٹی ہے۔48

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اسلامی تعلیم کو ہر چیز پر ترجیح دے، رسول اللہ ﷺ اور خلفاراشدین کے دور میں حکومت کے فرائض میں سے تعلیم تھی، اور آپ نے ایک صحیح فلاحی ریاست قائم کی، جس میں شوریٰ تھی عدل وانصاف کا بول بالا تھا لوگوں کے لیے خوشحالی تھی، لوگوں کے حقوق کا خیال کیا جاتا تھا، حکمرانوں کو رعایا سے محبت تھی، اور رعایا کو حکمرانوں سے محبت تھی، ہمارے ملک میں اگر اسلامی نظام حکومت نافذ کر دیا جائے تو خوشحالی ہو گی اور لوگ اطمینان سے زندگی بسر کریں گے۔

لہذا حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کی پیروی کرتے ہوئے اپنے طرز عمل پر غور کریں۔ خلفاء اور عمال حکومت اسلامی شعائر کا نمونہ بن جائیں اور دیکھنے والوں کے لیے جیتا جاگتا مجسمہ ہوں اور جو لوگ مومن ہیں ان کو اسلامی شریعت کی تعلیم دینا اور اسلامی قوانین سے واقف کرانا بھی اسلامی حکومت کا فرض ہو۔ آپس میں بہتان وافترا بازی نہ کریں۔ معاشرے میں فحاشی و عیاشی کے حوالے سے بندش عائد کریں۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ مولانا حامد انصاری، اسلام کا نظام حکومت (دہلی 1956ء،) ص200۔

2۔ ابن خلدون، المقدمہ، (بیروت) ص113۔

3۔ گوہر الرحمٰن، اسلامی سیاست، (مکتبہ تفہیم القرآن، مردان) ص25۔

4۔ یوسف(12)40۔

5۔ بنی اسرائیل(17)، 111۔

6۔ المائدہ(5) 44۔

7۔ قرآن مجید، الصف( ):

8۔ النساء( ):

9۔ الاعراف(7)، 157۔

10۔ النساء(4)65۔

11۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (دار السلام الریاض، ء، الطبعۃ الرابعۃ)، حدیث نمبر

12۔النساء(4)59۔

13۔الحج(22)41۔

14۔النساء(4)58۔

15۔آل عمران(3)159۔

16۔بغوی،ابو محمد، حسین بن مسعود،شرح السنۃ،(المکتب الاسلامی،بیروت،دمشق1983ء)حدیث3611۔

17۔النحل(16)90۔

17.1۔البخاری،الجامع الصحیح،حدیث4304۔

18۔الحجرات،(49)13۔

19۔ نثار احمد،ڈاکٹر،خطبہ حجۃ الوداع،(مکتبہ کتاب سرائے،لاہور)ص174۔186۔

20۔عبدالروف رحمانی،ایام خلافت راشدہ،(مکتبہ قدوسیہ،لاہور2013ء)ص86 بحوالہ صفۃ الصفوۃ،ج1،ص216۔

21۔البغوی،ابو محمد، حسین بن مسعود،شرح السنۃ،ج10،ص61،حدیث2469۔

22۔صدیقی،صفدر حسن،سیاست کی تشکیل نو کیوں اور کیسے ؟،(روشنی پبلشرز لاہور،)ص ۔ ۔

23۔مودودی،ابوالاعلی،اسلامی ریاست،(اسلامک پبلی کیشنز لاہور،ایڈیشن ، ء)،ص ۔

24۔بخاری،الجامع الصحیح،حدیث نمبر ا

25.Arnold.T.W.Cliphate,(Routledge s kegan paul,Karachi,1966,Edition 2nd,)page 22

26۔ابن قتیبہ،ابو محمد عبداللہ بن مسلم الدینوری،الامامہ والسیاسۃ،(موسسۃ الحلبی وشرکاء للنشر والتوزیع)ص

27۔ مسلم،ابوعبداللہ محمد، نیشاپوری،الجامع الصحیح،(دارالسلام الریاض، ء،الطبعۃ الرابعۃ)،حدیث نمبر

28۔ مسلم،الجامع الصحیح،حدیث4719۔

29۔بخاری،الجامع الصحیح،حدیث نمبر ۔

30۔اصلاحی،امین احسن،اسلامی ریاست،(دارالتذکیر لاہور،)،ص

31۔ڈاکٹر ظہور احمد اظہر،نوادرات پبلشرز،لاہور،2009)ص77۔

32۔الہیثمی،نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان،مجمع الزوائد ومنبع الفوائد،(دارالکتب العلمیہ،بیروت،)

33۔ایضاً،ص

34۔ایضاً،ص

35۔ابن ہشام،عبدالملک،السیرۃ النبویہ،(دارالجیل بیروت،)، / ۔

36۔ابن سعد، محمد بن منیع،الطبقات الکبریٰ،(دار صادر بیروت، ھ)، /

37۔ایضاً، /

38۔ایضاً، /

39۔ایضاً، /

40۔ایضاً، /

41۔ایضاً، /

42۔ایضاً، /

43۔ایضاً، / ۔

44۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث نمبر ۰

45۔قاضی ابو یوسف ، یعقوب بن ابراہیم ،کتاب الخراج،(المطبعتہ السلفیہ، قاھرہ الطبعتہ الثالثتہ،ھ)، ص۔

46۔الجمعة(62)2۔

47۔ابن ماجه،السنن، (دار السلام الریاض)حدیث 229؛ابن عبدالبر ،التمھید،(مکتبہ المصطفیٰ الباز ،مکة المکرمة1976ء)ج5،ص118۔

48۔ڈاکٹر محمدحمیداللہ،پیغمبر اسلام کی تعلیمی سیاست،مکتبہ نشاط ثانیہ،دکن،1956ء)ص18۔